دوام حدیث　　　حضرت مولانا حافظ محمد

حدیث کی حفاظت کے اسباب

کا اجمالی ذکر

حدیث کی حفاظت کا سبب حدیثوں کو عمل میں داخل کرتا ہے۔

۱۔ جو حدیثیں نماز کے متعلق ہیں خواہ نماز کے اوقات سے ہو یا نماز کی دیگر شرائط طہارت و استقبال کعبہ سے یا نماز کے آداب و ارکان سے یہ تمام حدیثیں ایسی ہیں کہ جن پر چوبیس گھنٹوں میں کم از کم پانچ بار عمل کو لازم قرار دیا گیا ہے۔ اب جن حدیثوں پر دن اور رات میں پانچ مرتبہ عمل کیا جاوے وہ کب بھول سکتی ہیں یہی حال ان احادیث کا ہے جن کا روزوں سے تعلق ہے اگرچہ فرض روزے سال میں ایک دفعہ آتے ہیں مگر پورا ایک مہینہ رہتے ہیں اور سال میں نفلی روزے ہمیشہ تھوڑے تھوڑے فاصلے سے آتے رہتے ہیں نا ممکن ہے کہ ایسی حدیثیں بھول جائیں۔

یہی حال حج کا ہے۔ حج اگرچہ عمر میں ایک بار فرض ہوتا ہے۔ مگر حج میں چونکہ لاکھوں آدمی شریک ہوتے ہیں۔ اس واسطے اس میں ان احکام کو بھول جانا پھر اس بھول کا برقرار رہنا ناممکن ہے۔ مکہ والے تو کم از کم اس کے احکام نہیں بھول سکتے۔

۲۔ زکات و عشر و خراج۔ قصاص۔ نکاح و طلاق و عدت۔ غلاموں کا آزاد کرنا۔ والدین کے حقوق۔ زوجین کے حقوق اور اقتصادی امور ان سب کو ریاست کے حوالے کیا گیا۔ حکومت قائم کر کے ان تمام امور کو منظم کر کے علماء۔ قضاۃ۔ امراء اور عمال کے سپرد کر دیا گیا۔

۳۔ پھر لوگوں کے دلوں میں دین کی محبت اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی الفت ڈال دی گئی۔

۴۔ پھر ایسے ایسے حافظے والوں کو قرآن و سنت کے مسائل سیکھنے کی طرف متوجہ کیا گیا۔

۵۔ بعض فروعی مسائل کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود لکھوایا اور بعض کو صحابہ اور خلفا نے تحریر کرایا اور کیا۔ یہاں تک کہ تابعین کے زمانہ میں تمام احادیث قریب قریب تحریر میں آگئیں اور تابعین صحابہ سے سننے والے تھے۔ تابعین کے نسخے صحابہ کے نسخوں پر مشتمل ہوئے اور بعد میں آنے والوں نے تمام شہروں کے نسخوں کو جمع کروایا۔ یہاں تک کہ دوسری صدی میں ساری حدیثیں کتابی شکل میں مجموعوں میں جمع ہوگئیں مگر ان میں کچھ اختلاط بھی پایا گیا۔ کیونکہ ان تمام کے استیعاب سے یہ غرض تھی کہ ان تمام شائع شدہ ذخیرہ احادیث سے صحیح وضعیف کو الگ الگ کر دیا جائے۔ جو قابلِ عمل۔۔ اور بالکل صحیح ہیں۔ ان کو الگ کر دیا جائے تاکہ عوام بھی فائدہ اٹھا سکیں۔

اس کا یہ مطلب نہیں کہ پہلے رطب ویابس اور تمام لکھے ہوئے ذخیرے پر بدون امتیاز عمل ہوتا تھا بلکہ اس کا یہ مطلب ہے کہ پہلے حدیث پر عمل کرنے کے لیے بڑے بڑے محدثین کی طرف رجوع کرنا پڑتا تھا۔ وہ محدثین عوام کی راہ نمائی کرتے تھے مگر بعد میں جب دو کتابیں صحیح بخاری ومسلم لکھی گئیں تو اب عوام کے لیے حدیث پر عمل کرنا آسان ہوگیا۔ آسانی کے لیے چھانٹا گیا ورنہ پہلے بھی قابلِ عمل حدیثیں ہوتی تھیں مگر ان حدیثوں کے ساتھ لکھی ہوئی تھیں جو ناقابلِ عمل تھیں۔ محدثین نے ان حدیثوں کو معرفت کے لیے لکھا تھا۔

سوال ان ناقابلِ عمل حدیثوں کو کیوں لکھا گیا۔ شروع ہی میں نہ لکھتے تاکہ چھانٹنے کی ضرورت نہ پڑتی۔

جواب شروع میں ان غیر قابلِ عمل حدیثوں کو اس لیے لکھا گیا کہ حدیثیں لکھنے والے دو قسم کے لوگ تھے۔ ایک وہ گروہ تھا جو فنِ حدیث میں ماہر تھے جن کی بات پر اعتماد کیا جاتا تھا۔ صحیح اور ضعیف میں پورے طور پر امتیاز کیا کرتے تھے۔ یہی گروہ حدیث کی خدمت کے لیے چنا گیا تھا۔ مگر حدیث پر چونکہ ان کی اجارہ داری نہ تھی۔ اس لیے دوسرے لوگ بھی اس فن میں مشغول ہوگئے تھے۔ یہ ظاہر ہے کہ جو شخص کسی فن میں ماہر نہ ہو اس سے غلطیاں ضرور ہوتی ہیں مگر عوام میں وعظ وتبلیغ کے لیے یہی گروہ پیش پیش ہوتا ہے اور خواص پہلے گروہ کی طرف زیادہ متوجہ ہوتے ہیں۔ اگر اس غیر ماہر گروہ کی اغلاط کو اسی طرح چھوڑ دیا جائے تو امت کے لیے ایک مستقل خطرہ پیدا ہو جاتا ہے۔ اس واسطے شروع میں تو ان کو لکھ لیا گیا مگر بعد میں یا تو چھانٹی کے وقت نکال دیا گیا یا ان کی اصلیت پر متنبہ کر دیا گیا اس طرح کہ تصریح کر دی گئی یا سند کے ذکر کرنے پر اکتفا کر دیا گیا تاکہ ماہرین سند سے ہی ان کی حقیقت معلوم

کریں یا ضعیف راویوں سے متعلق الگ الگ کتابیں لکھ کر آگاہ کر دیا گیا جیسے قرآن مجید یا دوسری کتابیں جو طبع ہو کر آتی ہیں کاتبوں کی سستی کی وجہ سے ان میں کمی و بیشی ہو جاتی ہے اور اس کا تدارک اس طرح کیا جاتا ہے کہ کتاب کے پیچھے اغلاط نامہ لگا دیا جاتا ہے کیونکہ ان اغلاط کا تمام کتاب سے نکالنا مشکل ہو جاتا ہے۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ایک گروہ جو دین کی تخریب کے درپے تھا۔ اس نے حدیثیں بنائیں اور عوام کے لیے ایک فتنہ برپا کر دیا۔ مگر جو گروہ ماہر حدیث اس خدمت پر مامور تھا۔ اس نے چن چن کر ان حدیثوں کو الگ لکھا اور ان کے نام کے متعلق کتابیں لکھیں اور حدیثیں بنانے کے اسباب بیان کیے یہاں تک دودھ کا دودھ پانی کا پانی الگ الگ ہو گیا اور امت اس فتنہ سے بچ گئی اور وضعی احادیث کا ذخیرہ لکھا ہوا لوگوں کے سامنے آ گیا۔

جیسے قرآن مجید کے متعلق بھی بعض لوگوں نے کوشش کی کہ غیر محفوظ ہو جائے مگر ان کی کوشش کارگر نہ ہوئی بلکہ منکرین حدیث کے نزدیک نوبت سے قرآن بنائے گئے مگر اصل قرآن محفوظ رہا یہی حال احادیث کا ہے کہ حدیثیں وضعی اگرچہ بنائی گئیں مگر وہ حدیثیں حدیث کے دینی حصہ میں داخل نہ ہو سکیں اس کی بڑی وجہ یہ تھی کہ حدیث کے اندر سلسلہ اساتذہ اور تلامذہ کا صحابہ کے زمانہ سے قائم ہو چکا تھا۔ ہر استاذ کے تلامذہ گنے گئے تھے اور ان مشہور اساتذہ کی احادیث شمار کر لی گئی تھیں۔ اب ان میں داخل کرنے کی کوئی صورت نہ تھی۔ کیونکہ جو شخص کسی استاذ کا نام لے کر کوئی حدیث بیان کرتا تو اس کے لیے لازم تھا کہ اس کی سند استاذ سے آگے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک بیان کرے۔ اب اس کی کذب بیانی کا پتہ لگانا بالکل آسان تھا کیونکہ اس سند کے سلسلہ میں جتنے راوی ہوتے ہیں ان کے اساتذہ اور تلامذہ معروف تھے اور ان کی حدیثیں بھی معروف تھیں۔ اگر اس نے ایسی حدیث بیان کی جو اس سلسلہ کے راویوں میں کسی ایک کی نہیں تو ظاہر ہے کہ جھوٹ ہے۔ اس طرح اگر سلسلہ اسناد میں کسی شاگرد کا اضافہ کر دیا یا ایسی سند ذکر کر دی جو حقیقت میں نہیں تو اس سے بھی اس کی کذب بیانی ظاہر ہو جاتی۔ اس لیے کسی جھوٹے کا جھوٹ چھپ نہیں سکتا تھا یہی وجہ ہے کہ یہ لوگ عوام پر اپنا اثر و رسوخ استعمال کر کے مطلب برآری کی کوشش کرتے تھے مگر خواص ان سے متاثر نہیں ہوتے تھے۔ دینی علم کا تعلق چونکہ خواص سے ہوتا ہے۔ اسی لیے دین اسی طرح محفوظ رہا۔ چنانچہ دارقطنی نے اپنے زمانہ میں بغداد میں اعلان کیا تھا کہ کوئی شخص موضوع روایت دین میں داخل نہیں کر سکتا۔ کیونکہ ان کو اسانید پر اتنا عبور تھا کہ اگر کوئی شخص جعلی حدیث بناتا تو فوراً معلوم کر لیتے۔

یہ تو ہو سکتا ہے کہ بعض روایات کے بعض الفاظ شاذ ہوں مگر صحیحین کی ان روایات میں جن کی تنقید نہیں ہوئی یعنے بعد کے محدثین نے بخاری کے حکم کو صحیح مانا ہے اور بالاجماع وہ صحیح ہیں یا جن میں صحت کا فتویٰ ایک دو محدثوں کا ہے مگر اس کے خلاف کسی سے مروی نہیں۔ ان پر شذوذ کا کوئی اثر نہیں۔

احادیث کے ذخیرہ میں صحیح و ضعیف کا مخلوط ہونا اور موضوعات کا دنیا میں پایا جانا۔ اس بات کو مستلزم نہیں کہ جو حصہ دستور العمل ہے اور محققین محدثین کے نزدیک معتبر ہے اس میں بھی اختلاط پایا جاتا ہو۔

جیسے قرآن مجید ہمارے سامنے مختلف مطابع میں طبع ہوتا ہے۔ کاتبوں سے غلطیاں بھی ہوتی ہیں۔ زیر و زبر بلکہ بعض جگہ کلمات میں بھی رد و بدل ہو جاتا ہے مگر قرآن میں نفس الامر کے اعتبار سے کوئی فرق نہیں پڑتا اگرچہ بعض تھوڑے علم والے جس طرح غلط لکھا ہوا ہوتا ہے اس طرح ہی پڑھتے ہیں۔ مگر قرآن کی صحت کے لیے ان پر اعتماد نہیں ہوتا۔

یہی حال حدیث کے ذخیرہ کا ہے کہ اس میں ہر طرح کا مواد موجود ہے جس کی وجہ رواۃ کی انسانی خامیاں یا دشمنانِ اسلام کی کارستانیاں اور ناداں دوستوں کی بیوقوفیاں ہیں مگر جو حصہ محدثین کے نزدیک قابلِ عمل اور صحیح ہے اس میں اختلاط نہیں۔

عمروؓ بن العاص

کسی کو مجال انکار نہ رہی۔

یہ سب کچھ یقیناً سفارتی سطح پر ہی ہوا ہے اور اس غرض سے سفراء فریقین تک پہنچ رہے تھے ورنہ بات چیت نیزوں پر چسپاں کیے گئے اشتہارات کے ذریعہ کبھی نہیں کی جاتی۔ یہ نہ کوئی سازش تھی نہ سرگوشی نہ کوئی فریب تھا نہ خدع۔ صلح کی باقاعدہ گفتگو تھی اور اس گفتگو میں فریقین کے اہل الرائے شامل تھے۔ نہ یہ تجویز اس وقت آئی تھی۔ جب شامی لشکر کی حالت غیر ہو چکی تھی اور نہ حضرت علیؓ ہی مسلمانوں کا خون بہا دینے پر تلے ہوئے تھے۔

یہ تجویز فریقین نے باتفاق پسند کی تھی اور فریقین کی تائید و حمایت کے بعد ہی اس کا اعلان کیا گیا تھا۔

(جاری ہے)